# فقہ اسلامی کا ارتقاء

ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ
رئیس شعبۂ شریعت اسلامیہ، لا کالج، عین شمس یونیورسٹی قاہرہ

**تغیر قانونِ فطرت ہے** قانون ایک زندہ حقیقت ہے، یہ حرکت، ارتقاء اور پیہم رواں دواں کاروانِ زندگی کی سب سے سچی علامت ہے۔ چنانچہ اس کے لئے لازمی ہے کہ یہ حرکت کرتا رہے اور پیش آمدہ تقاضوں کے لئے اپنے دامن کو وسعت دیتا رہے تغیر اور توسع کا یہ قانون کائنات کی ہر شے پر لاگو ہے۔

بنظرِ غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ قانون (فقہ) کا ارتقا اور تغیر ایک ایسی ضرورت ہے جس کے بغیر زندگی ممکن نہیں۔ قانون کی رگوں میں تازہ خون گردش میں رہے تب ہی زندگی نشو و نما پاتی ہے۔ یہ بات نہ صرف فقہ (قانون) کی فطرت میں داخل ہے بلکہ خود زندگی اسی سے عبارت ہے۔

لفظ "فقہ" جیسا کہ معلوم ہے، لغوی طور پر "جاننے اور سمجھنے" کے معنوں میں آتا ہے۔ مثلاً عربی میں کہا جاتا ہے فلان یفقہ الخیر والشر (فلاں شخص نیکی اور بدی کے بارے میں علم رکھتا ہے اور سمجھتا ہے) لیکن علماء کے ہاں آکر فقہ کی اصطلاح ان معنوں میں استعمال ہونے لگی۔

عبارة عن العلم بالاحكام الشرعية الثابتة لافعال المكلفين خاصة كالوجوب والحظر والاباحة والندب والكراهة، وكون العقد صحيحاً وفاسداً وباطلاً، وكون العبادة قضاءً واداءً وامثاله۔

(المستصفى من علم الاصول - امام غزالی، جلد اول ص ۴، ۵)

فقہ ایسے علم سے عبارت ہے جو خصوصاً ان افعال کے بارے میں جن کا بندوں کو مکلف ٹھہرایا گیا ہے ثابت شدہ شرعی احکام بیان کرتا ہے مثلاً وجوب تحریم، اباحت، ندب، کراہت اور یہ کہ کوئی عقد صحیح ہے یا فاسد ہے۔ یا باطل اور یہ کہ کوئی عبادت قضا اور ادا کیسے ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ"

## فقہی ارتقا کے عوامل

افعال المکلفین (بندوں کے افعال) جن کے بارے میں فقہ بحث کرتی ہے اور جن کے بارے میں احکام کو "فقہ" کہا جاتا ہے۔ خود تغیر پذیر ہیں وہ پیہم ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور ہر زمانے میں ان میں نشو و نما اور وسعت ہوتی رہتی ہے اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ فقہ کے ارتقا کا سب سے بڑا عامل خود زندگی کی فطرت ہے جو ہر لحہ پیش آنے والے نت نئے واقعات اور حادثات سے گذرتی ہے، ہر تغیر سے تازگی حاصل کرتی ہے اور ہر تبدیلی سے تجدید پاتی ہے۔

غور کیجئے اس زندگی میں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب اپنے دور میں اپنی "اس محدود سی دنیا" میں لبسر کر رہے تھے اور اس زندگی میں کتنا فرق ہے، جو نبی اکرم کے بعد آپ کے جلیل القدر صحابہ ایک طویل و عریض دنیا میں بسر کر رہے تھے جس کے دروازے اللہ نے ان پر وا کر دیئے تھے اور پھر تاریخ اسلام کے پچھلے ادوار سے ان ایام کا مقابلہ کیجئے جن میں سے ہم آج گذر رہے ہیں، کیا یہ عظیم تفاوت اس امر کی دلیل نہیں کہ تغیر قانون فطرت ہے اور زمانے میں ثبات صرف تغیر کو ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ساری زندگی جزیرہ نمائے عرب میں رہے، کچھ عرصہ مکہ مکرمہ میں اور باقی عرصہ مدینہ منورہ میں۔ اور اس دور اور وقفے میں سارے مسلمان (غالب طور پر) عرب تھے۔ جن کے رسوم و رواج اور عرف و تقالید ایک تھے۔ ہاں اگر فرق تھا تو یہی کہ مکہ اور اس کے قرب و جوار کی معاشرت، مدینہ اور گرد و نواح کی معاشرت سے قدرے مختلف تھی۔

انہی اختلافات کے تقاضوں کے پیش نظر ان کے مناسب قانون سازی بھی ہوئی۔ انہی میں "عقد اسلم" کا قانون بھی ہے۔ شیخین (امام بخاری اور امام مسلم) کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلعم مدینے میں تشریف لائے تو یہاں کے لوگ دو دو تین تین سال کے ادھار پر کھجور دیتے تھے۔

حضورؐ نے فرمایا من اسلف ففی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم۔
(جو کوئی ادھار دے تو پیمانہ، وزن اور مدت متعین کرنا لازمی ہے)

لیکن جب اللہ کی نصرت آگئی، اسلام کو فتح نصیب ہوئی اور لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہونے لگے تو اللہ کا رسول اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملا۔ آپ کے بعد خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہ کا دور آیا۔ وہ لوگ جن سے سب سے اللہ راضی تھا۔ یہ وہ دور تھا کہ اسلام اپنی پوری آب وتاب سے مشرق، مغرب اور شمال جنوب ہر طرف اپنی ضیا پاشیوں کا حلقہ وسیع کر رہا تھا۔ قیصر وکسریٰ کی سلطنتیں مسلمانوں کے قدموں میں آ رہی تھیں عراق، شام اور مصر میں خلافت کی بنیادیں مستحکم ہو رہی تھیں اور رہوار اسلام شمالی افریقہ اور ترکستان کی طرف اڑا جا رہا تھا۔

ان تمام ممالک اور علاقوں کی جہاں اسلام قدم رکھ رہا تھا اپنی اپنی علاقائی تہذیبیں تھیں اپنے رسوم ورواج تھے، اپنی معاشرت اپنے قوانین اور اپنی فکر عربوں کا ان سے میل جول ہوا۔ تو اس اختلاط سے وہ اثرات ظاہر ہوئے۔ جو بعد کے زمانے میں فکری، قانونی اور علمی نہج پر دور رس تبدیلیوں کے باعث ہوئے اس کے ساتھ ساتھ ایسے واقعات اور حادثات وقوع پذیر ہوئے جن سے نئے نئے مسائل نے جنم لیا، ایسی صورتیں پیش آئیں جن کے لئے کوئی حل تلاش کرنا ضروری تھی۔ لیکن یہ سب مسائل اور صورتیں اس کثرت سے تھیں اور اتنی نئی تھیں کہ رسول اللہ کے زمانے کی قانون سازی احکام اور فیصلے ان معاملات میں ناکافی تھے جو ہر لمحہ نئی صورت اختیار کر رہے تھے اور نئی الجھنیں پیدا کر رہے تھے۔ انہی حالات کا تقاضا تھا کہ فقہ اور اسلامی قانون سازی نے تغیر اور ارتقا کے اس اصول کو آغاز ہی میں اپنا لیا۔

امام شہرستانی نے اجتہاد کے واجب ہونے کے بارے میں بحث کرتے ہوئے اس کی شرائط کے ضمن میں اس بنیادی حقیقت کو پیش کیا ہے کہ شرعی نصوص کی بہر کیف ایک انتہا ہے لیکن حوادث وواقعات کی کوئی انتہا نہیں ہو سکتی ہیں۔

وبالجملة، نعلم قطعا ویقینا ان الحوادث والوقائع فی العبادات والتصرفات
مما لا یقبل الحصر والعد ونعلم قطعا انہ لم یرد فی کل حادثۃ نص، ولا

کرنے کی کوشش کی اسی کوشش کے نتیجہ میں فقہ اسلامی خواہ وہ دین سے متعلق ہو یا دنیا سے مزید قانون سازی کی محتاج ہوئی۔ خود قرآن نے بہت کم احکام بیان کئے تھے، یہ ممکن بھی نہیں تھا کہ قرآن کے احکام ان تمام معاملات و روابط کا بھی احاطہ کرتے جو پہلے سے متوقع نہیں ہو سکتے اور جو سب فتوحات کے بعد وقوع پذیر ہوئے۔ قرآن کے احکام عرب کی سادہ زندگی میں محدود تھے اور انہیں سے اس کا خطاب تھا۔ چنانچہ یہ احکام اس نئے دور کے لئے کسی طرح کافی نہیں تھے۔"

**تجزیہ** اسلام کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ دنیا کے لئے کوئی کامل طریقہ لے کر نہیں آیا۔ اسی طرح غلط ہے جس طرح یہ کہنا کہ قرآن کے احکام عرب کی سادہ زندگی تک محدود تھے اور انہی سے اس کا خطاب تھا، چنانچہ یہ احکام نئے دور کی ضرورتوں کے لئے ناکافی تھے۔

تاریخ سے ہمیں اس کی تائید حاصل ہے کہ اسلام دنیا کے لئے ایک کامل طریقہ لے کر آیا۔ اور ایسا قانون لے کر آیا جو دینی اور دنیاوی دونوں امور پر حاوی تھا۔ البتہ یہ قانون محض مبادیات اور اصول پر مشتمل تھا۔ جن میں جزئیات اور فروعات میں رہنمائی لی جا سکتی تھی بالفاظ دیگر اسلام نے کلیات پیش کئے اور تفصیلات اور جزئیات کو ذی رائے اصحاب اور ارباب حل و عقد کے لئے چھوڑ دیا جو دین اور شریعت کی روح کے نفاذ کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ اس طرح یہ الٰہی قانون ہر پیش آمدہ صورت حال کے تقاضے کو سمجھنے اور تطبیق و توفیق قبول کرنے کی اہلیت رکھتا ہے ہمیں معلوم ہے کہ ہم اس قانون کو کس طرح زندہ رکھ سکتے ہیں اور کس طرح اس سے ان مسائل کا استنباط کر سکتے ہیں جن کے بارے میں نصوص خاموش ہیں۔

یہ کہنا بھی صریحاً غلط ہے کہ قرآن عرب کی سادہ زندگی میں محدود تھا حالانکہ قرآن بالتاکید اور بار بار یہ کہتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہانوں اور تمام قوموں کے رسول ہیں۔ اور اس میں عرب اور غیر عرب کی اور سفید اور سیاہ کی کوئی تفریق نہیں۔ اسی وجہ سے رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام خاتم النبیین کہلانے کے

مستحق ہیں آپ کی رسالت اللہ کی طرف سے مبعوث رسالتوں کی خاتم ہے اور اس سے رنگ و نسل اور زبان کے اختلاف کے باوجود دنیا کی تمام اقوام نے جس طرح ماضی میں ہدایت پائی اسی طرح قیامت تک یہ تمام اقوام کے لئے ہدایت ہے۔

---

انفاس العارفین میں شاہ ولی اللہ نے اپنے والد بزرگوار کے جو حالات لکھے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بڑے دیدہ ور صاحبِ نظر بزرگ تھے ان کا قاعدہ تھا کہ امرا کے گھر قطعاً نہ جاتے لیکن اگر امرا میں سے کوئی آپ کی زیارت کے لئے آتا تو اس کا بہت پاس کرتے اور پیار محبت سے اسے نصیحت فرماتے بعض مجذوبوں کی طرح بد خلقی سے پیش نہ آتے آپ اپنی معاشرت اور لباس اور وضع قطع میں معتدل مزاج تھے شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں ۔" درہر امر توسط دوست میداشتند نہ چنداں تنسک و تعمق فرورفتہ بودند کہ بر نہایت کشد۔ و نہ چنداں ترک تقید بآداب مترسّل بودند کہ بہ نہادن میل کنند۔

آپ کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے شاہ ولی اللہ نے آپ کی ایک رباعی نقل کی ہے جو آپ نے فی البدیہہ کہی اور اپنے فرزند ارجمند کو بطور وصیت کے لکھوائی۔ رباعی

گر تو راہِ حق بخواہی اے پسر — خاطر کس را مرنجاں الحذر
در طریقت رکن اعظم رحمت است — ایں چنیں فرمود آں خیر البشر

(رود کوثر از شیخ محمد اکرام)

# صحتِ حدیث کی قطعیت کی نوعیت

ابوسلمان شاہجہانپوری

دین میں حدیث کی جو اہمیت ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ کا بیان اس باب میں کفالت کرتا ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔

اعلم انہ لا سبیل لنا الی معرفۃ الشرائع والاحکام الا خبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم[1]

واضح ہو کہ ہمارے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے سوا کوئی ذریعہ شرائع اور احکام معلوم کرنے کا نہیں ہے۔

لیکن شرائع و احکام کے معلوم کرنے میں احادیث کو جس درجہ اہمیت حاصل ہے احادیث کی صحت و ضعف کو جانچنے کا معاملہ اتنا ہی نازک بھی ہے۔ حدیث کے باب میں بہت سی الجھنیں اسی ناواقفانہ گفتگو کا نتیجہ ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں۔

احادیث کی صحت و عدم صحت کا معاملہ بہت نازک ہے اور محتاج علم و نظر ہے جب تک اس فن عظیم و مقدس سے واقفیت نہ ہو اور تمام علوم متعلقہ حدیث پر نظر نہ ہو نیز تمام کتب معتبرہ قوم و طبقات محدثین و رواۃ پیش نظر اور تصریحات ائمہ فن و طرق تخریج و نقد و درایت کی پوری پوری من الباب الی المحراب خبر نہ ہو اس وقت تک کچھ پتہ نہیں چلتا محض چند کتب حدیث کا سامنے رکھ لینا اس بارے میں مفید نہیں[2]

آج اصلی مصیبت یہی ہے کہ قرآن و حدیث ہی اسلامی تعلیم کا اصل سرچشمہ ہیں۔

---

[1] باب طبقات حدیث [2] الہلال ۲۰ مئی سنہ ۱۹۱۴ء